'فتح الرحمٰن' کا ایک تجزیاتی مطالعہ

——— پروفیسر ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

'فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن' حضرت شاہ ولی اللہؒ (احمد بن عبد الرحیم عمری/ فارقی دہلوی۔ ۴؍شوال ۱۱۱۴ھ/ ۲۱؍فروری ۱۷۰۳ء-۲۹؍محرم ۱۱۷۶ھ/ ۲۰؍اگست ۱۷۶۲ء) کے فارسی ترجمۂ قرآن مجید کا عنوانِ معانی ہے۔ ترجمہ کا آغاز مدرسۂ رحیمیہ نزد مسجد فیروز شاہ کوٹلہ دہلی کی معلّمی کے ابتدائی زمانے (۴۲-۱۱۳۱/ ۳۱-۱۷۲۰) میں غالباً اس کے آخری دو تین برسوں میں ہوا۔ یہ مدرسہ ان کے والد ماجد شیخ عبد الرحیم بن شیخ وجیہ الدین فاروقی (۱۰۵۴ھ/ ۴۵-۱۶۴۴ء-۱۲؍صفر ۱۱۳۱ھ/ ۴؍جنوری ۱۷۱۹ء) کا قائم کردہ تھا۔ ان کی وفات کے بعد شاہ ولی اللہؒ مدرسۂ رحیمیہ کے شیخ امام واستاذ کل بنے اور طالب علموں کو مختلف علوم وفنون کی تعلیم دیتے رہے۔ ان میں قرآن کریم کے متن ومعانی کی تدریس مدرسۂ رحیمیہ اور ولی اللّٰہی نصاب میں سرفہرست تھی۔

تالیف کے مراحل:

ولی اللّٰہی فارسی ترجمہ مختلف مرحلوں میں کیا گیا اور اس کے بعض مراحل میں مہینوں بلکہ برسوں کا وقفہ رہا۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے خود صراحت فرمائی ہے کہ اول اول زہراوین۔ سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران۔ کے ترجمے کی تسوید صورت پذیر ہوئی۔ اگر چہ وضاحت نہیں ملتی، تاہم بسملہ اور سورہ فاتحہ کا ترجمہ بھی اسی وقت ہوا ہوگا، بلکہ ترجمہ کا آغاز ہی ان سے ہوا ہوگا، کیوں کہ اولین آیت کریمہ اور سورت مقدسہ سے شروع کرنا منطقی طور سے لازمی معلوم ہوتا ہے۔ ابتدائی تین سورتوں کا فارسی ترجمہ ۱۱۴۳ھ/ ۱۷۳۱ء سے متصل زمانی میں مکمل ہو چکا تھا، کیوں کہ اس کے فوراً بعد حضرت مترجم حج بیت اللہ

کے مبارک سفر پر تشریف لے گئے۔ حرمین شریفین کے سفرِ آمد و رفت میں تقریباً سوا سال (۴۵-۱۱۴۳ھ/۳۲-۱۷۳۱ء) کا وقت لگا اور اس وقفہ میں ترجمہ کا کام معطل رہا۔

مبارک سفر سے واپسی کے کچھ عرصہ بعد یا بقولِ شاہ صاحب ''سالہائے چند'' ترجمہ کا کام رکا رہا۔ پھر جب ان کے ایک عزیز و شاگرد شیخ محمد عاشق بن شیخ محمد پھلتیؒ (م ۱۱۸۷ھ/۱۷۷۳ء) نے ان سے قرآن مجید اور اس کا ترجمہ پڑھنا شروع کیا تو معطل فارسی ترجمہ کی تسوید از سرِ نو شروع ہوگئی۔ یہ سلسلۂ تدریس ہی حضرت شاہ کے عزمِ مصمم کا سبب بنا اور جتنا حصہ قرآن پڑھا جاتا وہ سبق در سبق لکھ لیا جاتا۔ تسوید و کتابت کا کام غالباً شاگرد رشید ہی انجام دیتے تھے۔ کیوں کہ جب ایک تہائی قرآن کی تدریس اور اس کا ترجمہ ہو چکا تو کاتب شاگرد کو ایک سفر میں پیش آ گیا اور ترجمہ کا لکھنا موقوف ہو گیا۔

ایک مدت بعد پھر ترجمہ کرنے اور لکھنے کی تقریب پیدا ہوئی اور دو تہائی حصہ قرآن کا ترجمہ ہو چکا تھا کہ ایک اور وقفہ پیش آ گیا۔ البتہ اس بار یہ ضرور طے کیا گیا کہ اکثر حصہ کا ترجمہ ہو چکا تھا، لہٰذا بعض دوستوں کے اصرار پر مسودہ کی تبییض شروع کر دی گئی اور ترجمہ کو آیاتِ قرآن کے ساتھ ملا کر لکھا گیا، تاکہ ایک مستقل نسخہ تیار ہو جائے۔ اسی 'یار سعادت مند' نے عید الاضحیٰ ۱۱۵۰ھ/۳۱ مارچ ۱۷۳۸ء کو تبییض کرنی شروع کر دی۔ اور جب مسودہ قریب قریب صاف مبیضہ ہونے لگا تو دوبارہ عزم میں حرکت ہوئی اور آخرِ قرآن تک ترجمہ کی تسوید ہوگئی۔ مسودہ تو اوائل شعبان ۱۱۵۱ھ میں تیار ہو گیا اور اسی برس رمضان کے اوائل میں اس کا مبیضہ بھی تیار ہو گیا۔

ظاہر ہے کہ اس دوران متنِ قرآن کریم کی تدریس اور اس کے فارسی ترجمہ کی تعلیم بھی برابر ہوتی رہی۔ اور شیخ محمد عاشق پھلتی کے علاوہ دوسرے طلبہ و تلامذہ بھی مترجم محترم سے برابر اسے پڑھتے رہے۔ ان میں سے ایک خواجہ محمد امین بھی تھے۔ بقول شاہ صاحب اسی ''برادر دینی'' کے اہتمام سے چار پانچ سال بعد ۱۱۵۶ھ/۱۷۴۳ء میں اس کتاب کا رواج عام ہوا، اس کے متعدد نسخے تیار کیے گئے، اس کو نصاب میں شامل کیا گیا،

اس کے مطالعہ تدریس کی مداولت ہوئی اور اہل عصر نے اس پر خاطر خواہ توجہ مبذول کی۔

وجوہِ تالیف:

'فتح الرحمٰن' کی تدوین کا بڑا محرک عزیز خاص اور مدرسۂ رحیمیہ کے طلبہ کا تدریسی تقاضا تھا۔ ان کی تعلیم وتدریس کے تقاضوں نے حضرت مترجم سے ترجمہ کا کام شروع کرایا تھا اور ان ہی کے سبب معطل کام بار بار شروع ہوتا رہا اور بالآخر ان ہی کی خاطر وہ مکمل بھی ہوا۔ یہ فوری، قوی اور مؤثر محرک ضرور رہا، مگر سب سے بڑا نہیں۔ شاہ صاحب نے اصل محرک اپنے زمانے کے مسلمانوں کی دینی اور علمی ضرورت کو قرار دیا ہے۔ 'مقدمہ فتح الرحمٰن' کے علاوہ 'المقدمۃ فی قوانین الترجمۃ' میں بھی حضرت مترجم نے وضاحت کی ہے کہ ہر زمانے اور ہر علاقے میں مسلمانوں کی خیر خواہی ونصیحت کے تقاضے الگ الگ ہوتے ہیں اور ان ہی کے مطابق مختلف علوم وفنون کی کتابیں لکھی اور شائع کی جاتی ہیں۔ ہم جس زمانے اور جس ملک میں جی رہے ہیں ان کا تقاضا ہے کہ مسلمانوں کے لیے زمانۂ حال کے مطابق ایک نیا ترجمہ فارسی میں کیا جائے، جو سلیس ہو، رائج روزمرہ میں ہو، فضیلت نمائی کے تکلف اور عبارت آرائی کے تصنع سے خالی ہو، قصوں، تاویلوں اور توجیہوں سے پاک ہو، تاکہ خواص وعوام اسے یکساں سمجھ سکیں اور چھوٹے بڑے بیک صورت معانیٔ قرآن کریم کا ادراک کر سکیں۔ اس فقیر کے دل میں اس امرِ عظیم کی تحریک پیدا ہوئی اور خواہی نخواہی اس کو انجام دینے کا عزم صمیم کر لیا۔ اس سلسلہ میں چند تراجم قرآن کا بغور مطالعہ کیا کہ ان میں سے کوئی پسند خاطر آئے تو اسی کو اختیار کر کے رواج دینے کی کوشش کی جائے اور جہاں تک ممکن ہو اس کو معاصرین کے لیے پسندیدہ ومرغوب بنایا جائے، لیکن مطالعہ سے معلوم ہوا کہ بعض تراجم اتنے طویل ہیں کہ تھکا دینے والے ہیں اور بعض اتنا اختصار رکھتے ہیں کہ ادراک معانی میں خلل پیدا کرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی معیار ومیزان پر پورا نہیں اترا۔ لہٰذا ایک اور ترجمہ کرنے کا عزم مصمم ہو گیا اور کام شروع کر دیا......" (مقدمہ فتح الرحمٰن، ۱-ب)

شاہ صاحب کے اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ وہ طلبۂ علم، خواص وعوام اور بعض عزیزوں کی دینی اور علمی ضرورت کے تحت ہی نہیں، بلکہ عام مسلمانوں کی خیر خواہی کی خاطر بھی ایک نیا ترجمہ کرنا چاہتے تھے۔ اس کی وضاحت دوسرے بیان میں ملتی ہے۔

نصاب قرآن مجید کے تعلق سے حضرت مترجم نے اپنے ترجمۂ قرآن کا جو مقام ومرتبہ متعین کیا ہے وہ مسلمانوں کے عام طبقات اور ان کی دینی اور علمی ضرورت اور تقاضے کو بخوبی واضح کرتا ہے۔ شاہ صاحب کا پکا خیال تھا کہ نوخیز مسلم بچوں اور نونہال کو متنِ قرآن کے ساتھ ساتھ معانی ومفاہیم کی تعلیم بھی دی جائے۔ ناظرۂ قرآن اور فارسی رسائل کو اچھی طرح پڑھایا جائے تاکہ وہ الفاظ وعبارتِ قرآن کے ساتھ فارسی زبان پر بھی ضروری دسترس حاصل کر لیں۔ کاروباری لوگوں (اہل حرفہ) اور سپاہیوں کے بچوں کو علوم عربیہ اور انتہائی تعلیم کا موقع نہیں ملتا، لہٰذا ان کو ''اول سن تمیز'' میں اس کتاب یعنی ان کے فارسی ترجمۂ قرآن کو سبق در سبق پڑھادیا جائے، تاکہ ان کے سینوں (جوفِ ایشاں) میں جو پہلی چیز جاگزیں ہو وہ کتاب اللہ کے معانی ہوں، تاکہ ان کی سلامتِ فطرت'' خراب نہ ہو اور وہ ملحدوں اور بے دین معقولیوں کے کلام سے گمراہ نہ ہوں اور ان کے سینوں میں ان کے بے لگام وناپسندیدہ باتوں کی گندگی نہ جم جائے۔ ان بچوں اور نوجوانوں کو اس ترجمۂ قرآن کی کتاب ضرور پڑھائی جائے، تاکہ وہ تلاوت قرآن کی حلاوت سے آشنا ہوں۔ اگر چہ تمام (جمہور) مسلمانوں کے حق میں اس کتاب کا نفع متوقع ہے، لیکن بچوں اور ابتدائی طالب علموں (صبیان ومبتدیان) کے حق میں وہ زیادہ روشن اور بہت ظاہر ہے......'' (مقدمہ فتح الرحمٰن)

بلاشبہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ خواص اور عوام دونوں کے تمام افراد وطبقات کو ناظرۂ قرآن کے ساتھ ساتھ معانیٔ قرآن سے آشنا کرانا چاہتے تھے۔ وہ متن قرآن کی تلاوت کو مفید سمجھتے تھے، تاہم اسی کو کافی نہیں گردانتے تھے۔ وہ سب مسلمانوں کو قرآن مجید کے معنی ومفہوم سے واقف کرانا لازمی عصری تقاضا سمجھتے تھے۔ اسی بنا پر انھوں نے تعلیم و تدریس کے لیے حلقہ کا طریقہ تجویز کیا تھا۔ تمام روزگار والے لوگ اکثر اوقات معاشی

مشاغل میں پھنسے رہتے ہیں۔ ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک وقت فارغ کریں اور ایک دوسرے کے ساتھ حلقہ بنا کر بیٹھیں۔ ایسے کئی حلقے ہوں ۔ ان میں جس شخص کو فارسی پر دسترس حاصل ہو اور فنِ تفسیر سے ضروری واقفیت رکھتا ہو یا اس ترجمہ کو پڑھ چکا ہو وہ سہولت و وسعت کے مطابق ایک دو سورتوں کی ترتیل کے ساتھ تلاوت کرے اور ان کو ترجمہ سنائے اور وہ سب بغور سنیں تا کہ معانی سے محظوظ ہوں۔اس طرح وہ صحابۂ کرام کے ساتھ تشبہ (مشابہت) پیدا کریں گے کہ وہ بھی حلقہ در حلقہ بیٹھا کرتے تھے اور قاری ان میں قراءت کرتا تھا۔ بس فرق یہ ہے کہ صحابۂ کرام اپنی صلاحیت وسلیقہ سے عربی زبان سمجھ لیتے تھے اور یہ جماعت فارسی ترجمہ کے توسط سے ان کی تفہیم حاصل کرے گی۔ "یاران سعادت مند" جس طرح مثنوی مولانا روم جلال الدین رومی، گلستانِ شیخ سعدی، منطق الطیرِ شیخ فرید الدین عطار ، قصصِ فارابی، نفحاتِ مولانا عبد الرحمٰن جامی اور اس جیسی کتابیں اپنی اپنی مجلسوں میں سنتے سناتے ہیں۔ اگر اس ترجمہ کو بھی وہ اسی اسلوب وطریقہ سے اپنے حلقوں میں باردیں اور اپنے دل ودماغ کا ایک حصہ اس میں لگائیں تو معانیٔ کتاب کے ادراک سے بہرہ مند ہوں گے۔ اگر وہ اولیاء اللہ کے کلام کا شغل ہے تو یہ کلام اللہ کا شغل ہے۔ اگر وہ حکیموں اور دانش مندوں کے مواعظ ہیں تو یہ احکم الحاکمین کے مواعظ ہیں، اور اگر وہ عزیزوں کے مکتوبات ہیں تو یہ رب العزت کے مکتوبات ہیں اور ان دونوں کے مرتبوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ نزولِ قرآن کا اصلی فائدہ نصیحت حاصل کرنا (اتّعاظ) ہے۔ان کے مواعظ سے کہیں زیادہ قرآن حکیم سے موعظت مل سکتی ہے جو محض تلاوت الفاظ سے حاصل نہیں ہوسکتی ۔ تلفظ وتلاوت بھی غنیمت ہے، لیکن اس شخص کو "مسلمانی" کیسے حاصل ہوسکتی ہے جو معانی (مدلول) قرآن کو نہ سمجھا ہو؟ اور اس کو تلاوت کی حلاوت کیسے نصیب ہوسکتی ہے جو کلام اللہ کے مدلول ومعانی کو نہ جانتا ہو؟ جو لوگ عربی زبان پر کامل دسترس رکھتے ہیں اور اساتذہ کی تفاسیر پڑھ چکے ہیں ان کو اس ترجمہ کے پڑھنے کی ضرورت نہیں، لیکن حضرت باری کے فضل سے یہ امید ہے کہ اگر وہ جماعتِ

(علماء) بھی اس کتاب کا مطالعہ کریں گے تو لفظ قرآن کے نیچے پوشیدہ معانی ان پر بھی روشن ہوجائیں گے...... وہ بھی اس سے پوراپورا فائدہ اٹھائیں گے......''

شاہ ولی اللہ نے صوفیہ اور علماء کے لیے بھی اس ترجمۂ قرآن کی افادیت ثابت کی ہے، بلکہ ان کے لیے ایک طرح سے ضروری قراردیا ہے، کیوں کہ وہ اپنے فنون۔تصوف اور تفسیر علوم۔ میں اتنے مشغول ہوجاتے ہیں کہ وسائلِ علم میں پھنسے رہ جاتے ہیں اور اصل علمِ الٰہی سے کنارہ کش رہ جاتے ہیں۔ یہ ترجمۂ قرآن ان کو اصلِ علم و دین عطا کرے گا۔

جہاتِ ترجمہ:

مترجمِ گرامی نے اپنے فارسی ترجمہ کے طرزِ تحریر، اسلوبِ نگارش اور اندازِ پیش کش کو بخوبی واضح کیا ہے:''یہ کتاب قرآن عظیم کے ترجمہ کے فن پر مشتمل ہے۔ عربی عبارت (نظم) مدلول (معانی) کو فارسی عبارت (نظم) میں ۔ ترجمہ کی زبان کے محاورہ اور روز مرہ کے مطابق۔ ادا کیا گیا ہے، اس میں نحو کی رعایت رکھی گئی ہے، جس کا حق مقدم تھا اس کو پہلے لایا گیا ہے، محذوف کو ظاہر کیا گیا ہے، نظمِ ترجمہ کو نظمِ قرآن کے موافق بنایا گیا ہے اور قرآنی الفاظ کی ترتیب کا لحاظ ترجمہ میں بھی رکھا گیا ہے، سوائے ان مقامات کے جہاں دو زبانوں کے اختلاف کے سبب لفظ میں ''رکاکت'' (گراوٹ) یا دلالت میں ''تعقید'' (پیچیدگی) پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح اسبابِ نزول اور مشکل مقامات وعبارت کی توجیہ و تاویل سے بقدرِ ضرورت ہی اعتنا کیا گیا ہے جس طرح ''کتاب وجیز'' اور ''جلالین'' میں روا رکھا گیا ہے۔''وجیز'' اور'' جلالین'' کی ہم رنگی، مماثلت، مشابہت اور اہمیت پر حجۃ الاسلام غزالی کی شہادت کافی ہے کہ ''وجیز'' جیسی کتابِ تفسیر پر جس شخص کو دسترس حاصل ہوگئی اس پر علمِ تفسیر کے ابتدائی (سفلی) طبقہ کا دروازہ کم از کم کھل جاتا ہے۔'' (مقدمہ فتح الرحمٰن، ب)

اس اصولی بحث کے بعد شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے ترجمۂ قرآن میں متن و

ترجمہ کے تعلق سے متعدد وضاحتیں کی ہیں اور وہ بھی ان کے طرزِ تحریر اور اسلوبِ بیان کی عمدگی، طرفگی اور ندرت پر دلالت کرتی ہیں۔ ''ہر آیت کو جدا لکھا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کا فارسی ترجمہ ہے، زبان ترجمہ میں وہ اختیار کی گئی ہے جو آج کل فارسی کا رائج اور مستند روزمرہ ہے۔ ہر لفظ کا ترجمہ ایک ہی لفظ سے کیا گیا ہے (بعض عربی الفاظ کا ترجمہ فارسی الفاظ میں زبان کے مزاج کے اختلاف یا فارسی میں عربی لفظ کے مفہوم ومعنیٰ کی عدمِ موجودگی کے سبب ممکن نہیں ہوتا جیسا کہ شاہ صاحب نے 'مقدمہ در قوانین ترجمہ' میں واضح کیا ہے۔) لہٰذا بعض مقامات پر تحت اللفظ سے زیادہ الفاظ ترجمہ میں اگر لائے گئے ہیں تو لفظ 'یعنی' یا اس جیسے کسی دوسرے لفظ سے اس کو ممیّز کر دیا گیا ہے۔ جہاں مستقل کلامِ (مزید) لایا گیا ہے اس سے پہلے ''مترجم گوید'' (مترجم کہتا ہے) اور اس کے آخر میں ''واللہ اعلم'' (اللہ بہتر جاننے والا ہے) لکھا گیا ہے، تاکہ ترجمہ میں مترجم کا کلام وتاویل کلامِ الٰہی سے ممتاز وجدا رہے۔ جہاں تک ممکن ہوا قرآن مجید سے متعلق قصوں کو صرف ایک دو فقروں میں بیان کیا گیا ہے اور اسبابِ نزول کی طویل روایات اور قصص سے گریز کیا گیا ہے۔ جہاں تک ممکن ہوا آیاتِ کریمہ کے سیاق کی رعایت ضرور کی گئی ہے۔'' (مقدمہ فتح الرحمٰن)

شاہ صاحبؒ نے اپنے مراجع ومصادر کی بھی مختصراً نشان دہی کی ہے تاکہ ان کی تاویلات، تشریحات اور توجیہات کا پایۂ اعتبار قائم رہے اور اگر قارئین کرام چاہیں تو ان کی تصدیق ان مراجع سے کرلیں اور تفصیلات ومباحث سے واقف ہونا چاہیں تو ہوجائیں۔ ''اس کتاب میں ''نقل'' (ماثور روایات) کے باب میں مدد صرف محدثین کی اصح التفاسیر (صحیح ترین تفسیروں) سے لی گئی ہے جیسی کہ بخاری، ترمذی اور حاکم نے تفسیر کی ہے، تاکہ بس بھر ضعیف وموضوع اخبار (روایات) سے احتراز رہے۔ اسرائیلی قصے (اسرائیلیات) اہلِ کتاب کے علماء سے منقول ہیں، نہ کہ خیر البشر علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کی حدیث سے، لہٰذا ان کو داخل نہیں کیا گیا ہے، سوائے اس مقام کے جہاں ان کو بیان کیے بغیر معنیٰ کا کشف ووضاحت ممکن نہیں تھا۔ اور ایسا اس قاعدۂ

کلیہ کے تحت کیا گیا ہے جس کے مطابق ممنوع چیزیں ضرورتوں کے وقت جائز بن جاتی ہیں ''الضرورات تبیح المحظورات۔'' (مقدمہ فتح الرحمٰن، د)

خصوصیات فتح الرحمٰن:

اس کے معاً بعد شاہ ولی اللہؒ نے اپنے فارسی ترجمہ کی انفرادی وممتاز خصوصیات بیان کی ہیں: دوسرے تراجم سے یہ ترجمہ چند ''وجہ'' سے ممتاز ہے:

(۱) ایک یہ کہ جس قدر نظمِ ''عبارت'' قرآن ہے اسی مقدار کے مثل معروف (ومتعارف) فارسی میں ترجمہ لایا گیا ہے اور اس میں مراد کو ظاہر کیا گیا ہے اور تعبیر کی لطافت کو برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ دوسرے تراجم میں جو عبارت کا اطناب اور تعبیر کی رکاکت اور مراد کا گونگاپن/عدم فصاحت (اعجام) پایا جاتا ہے اس سے بساط بھر احتراز کیا گیا ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ تمام تراجم دو حالتوں سے خالی نہیں ہوتے: یا تو وہ قرآن سے متعلق قصوں کو مطلق ترک کرتے ہیں، یا ان کو پوری تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ اس ترجمہ میں 'راہ متوسط' اختیار کی گئی ہے۔ لہٰذا جس مقام پر آیت کا معنٰی کسی قصہ پر موقوف ومنحصر ہے وہاں اس سے دو تین کلمات بقدرِ ضرورت انتخاب کر کے لائے گئے ہیں۔ اور جہاں آیت کے معنی قصہ بیان کرنے پر موقوف نہیں وہاں اس کو قطعی ترک کر دیا گیا ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ گوناگوں توجیہات میں صرف اسی کو اختیار کیا گیا ہے جو عربیت کے لحاظ سے سب سے قوی ہے، علمِ حدیث کے اعتبار سے سب سے واضح ہے، علم فقہ کے نظریہ سے سب سے زیادہ مضبوط ہے اور قواعد صرف کے مطابق سب سے زیادہ صحیح ہے۔ جس کسی نے 'تفسیر وجیز' اور 'تفسیر جلالین' کا، جو اس ترجمہ کی اصل کے مانند ہیں، مطالعہ کیا ہو، تو دوسری تفاسیر کے مطالعہ سے اس پر اس باب میں کوئی شک کا میل نہیں آئے گا۔

(۴) چوتھے یہ کہ یہ ترجمہ اس طرح (وجہ) سے کیا گیا کہ نحو جاننے والا قرآن

کے اعراب، محذوف کی تعیین، ضمیر کے مرجع اور لفظ کے محل اور عبارت میں مقدم وموخر کو خوب جان لے گا، اور جو شخص نحو سے واقف نہیں وہ بھی ''اصل غرض'' (مقصد) سے محروم نہ رہے گا۔

(۵) پانچویں یہ کہ ترجمہ دو حال سے کبھی خالی نہیں ہوتا: یا تو 'تحت اللفظ' (لفظی) ترجمہ ہوگا یا 'حاصل المعنیٰ' (بامحاورہ) ترجمہ۔ ان میں سے ہر ایک میں خلل (معانی) کی بہت سی صورتیں پائی جاتی ہیں۔ لیکن یہ ترجمہ ان دونوں طریقوں کا جامع ہے اور ان دونوں کے خلل میں سے ہر ایک کا ایک علاج مقرر کیا گیا ہے۔ یہ مفصل بحث کا متقاضی ہے اور اس کا بیان 'رسالہ قواعد ترجمہ' میں پیش کیا جا چکا ہے۔ (مقدمہ فتح الرحمٰن، د-ہ، مقدمہ در قوانین ترجمہ)

اسلوب وطرزِ ادا:

اسلوب یوں تو اپنے خیال، فکر یا نظریہ کو ایک خاص، دل نشیں اور خوب صورت انداز میں پیش کرنے کا نام ہے، مگر اس کی تعمیر وتشکیل میں متعدد محرکات وعوامل اور عناصر کی کارفرمائی پائی جاتی ہے۔ لکھنے والے کا مطالعہ، اس کی فکر کا انداز، نگاہ کا زاویہ، زندگی کی طرف اس کا رویہ، علوم وفنون پر اس کی دسترس، زبان وادب سے اس کی واقفیت، تحریر وتقریر پر قدرت، غرض کہ اس کی کامل شخصیت کا اظہار اس کے اسلوب میں ہوتا ہے۔ اسے اسلوب کے داخلی عناصر کا نام دیا جا سکتا ہے۔

خارجی عناصر میں سب سے پہلے اور شاید سب سے زیادہ زیرِ تحریر موضوع کی فطرت کارگزاری دکھاتی ہے۔ مضمون وموضوع بھی خود اپنا اسلوب متعین کرتا ہے اور جو صاحب قلم اپنے زیرِ تحریر موضوع کے تقاضے کی رعایت نہیں کرتے ان کا وہ 'باغی اسلوب' ان کو میدان تنقید میں ہدف بنا دیتا ہے اور ان کے اسلوب کو باوجود اس کی خوب صورتی، جاذبیت اور طرح داری کو بے محل اور غیر موزوں بنا دیتا ہے۔ (خاکسار کا مضمون 'ملفوظات کا اسلوب' فکر و نظر علی گڑھ، ۱۹۹۷ء، جلد ۳۴، شمارہ ۱، ۱۵-۳۳)

موضوع کی مناسبت سے ایک برمحل مثال ڈپٹی نذیر احمد کے ترجمۂ قرآن کی یہاں دی جاسکتی ہے۔ ان کے بے مثال، عمدہ اور عظیم الشان ترجمہ قرآن کی سب سے بڑی خرابی دہلوی زبان کا ٹکسالی انداز اور محاورات کی بے جا بھرمار ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی کا فارسی ترجمہ اس زمانے کی فصیح و بلیغ اور بامحاورہ زبان میں ہے، جیسا کہ انھوں نے اپنے 'مقدمہ فتح الرحمٰن' اور 'مقدمہ درقوانین ترجمہ' میں دعویٰ کیا ہے۔ انھوں نے جو اصول وخصائص بیان کیے ہیں سب سے پہلے ان ہی کی بنا پر ان کے ترجمہ کا جائزہ لینا مناسب ہے، کیوں کہ بالعموم ناقدوں کا خیال ہے کہ اصولی مفکرین کی اپنی تحریریں بسا اوقات ان کے اپنے مقررہ اصولوں پر پوری نہیں اترتیں۔ ابن خلدون کو ان کی تاریخ کے حوالے سے اور مولانا شبلی کو ان کی سیرت وسوانح کے تعلق سے ہدف تنقید وملامت بنایا گیا ہے کہ انھوں نے بالترتیب مقدمۂ تاریخ اور مقدمہ سیرت النبی میں جن اصول وقواعد کو بنایا تھا ان پر اپنی مفصل کتابوں میں عمل نہیں کیا۔

نظمِ عربی کے مطابق فارسی عبارت:

ولی اللٰہی ترجمہ کی یہ ایسی نادر، حسین اور عظیم صفت ہے جو ان کی فارسی زبان پر قدرت کو تو واضح کرتی ہی ہے عربی ادب اور قرآنی نظم کے دروبست پر ماہرانہ دسترس کو بھی سامنے لاتی ہے۔ مترجم کے لیے ضروری سمجھا جاتا ہے کہ اصل اور ترجمہ دونوں کی زبانوں کے مزاج، رنگ، اسلوب اور شخصیت سے پوری طرح سے واقف ہو، ورنہ وہ شاید معانی کی ترسیل تو کر سکے، مگر ادبی حسن وفخامت کو الفاظ کے پیکر میں نہ ڈھال سکے گا۔ شاہ ولی اللہؒ نے اعتراف کیا ہے کہ وہ قرآنی فصاحت و بلاغت کا پایۂ اعتبار وافتخار اپنی عبارتِ ترجمہ میں نہیں لاسکتے، کیوں کہ قرآن مجید عربی زبان وادب کا نہ صرف عظیم ترین شاہکار ہے، بلکہ وہ کلامِ الٰہی ہونے کے سبب اپنی ادبیت میں بھی ہر کلامِ بشر سے، خواہ کلامِ سید البشر علیہ السلام کیوں نہ ہو، زیادہ فصیح اور زیادہ بلیغ رہے گا۔ قرآن مجید نے اسی بنا پر تمام فصحائے عرب وعجم اور بلغائے انس وجن کو یہ 'تحدّی' (چیلنج) کیا ہے

کہ وہ سب مل کر قرآنِ عالی جیسا ایک شہپارہ ہی لے آئیں اور پھر حقیقت بھی کھول دی کہ وہ ایسا ہرگز ہرگز نہ کر سکیں گے، کیوں کہ وہ مخلوق ہونے کے سبب محدود صلاحیتوں کے مالک ہیں اور خالقِ عالم اور احکم الحاکمین کی لامحدود اور بیکراں 'ادبیت' کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

بایں ہمہ شاہ ولی اللہؒ نے اپنے اس اصول کی اپنے ترجمہ میں ہر جگہ رعایت کی ہے اور خوب کی ہے۔ چند مثالوں سے نظمِ عربی سے نظمِ فارسی کی مطابقت بھی واضح ہوگی اور عربی قرآن کے پرشکوہ اسلوب کے بالمقابل ولی اللٰہی فارسی اسلوب کا حسن و جمال بھی نمایاں ہوگا۔ آغاز اسی سورۂ کریمہ سے کیا جاتا ہے جس سے قرآنِ کریم کا آغاز ہوا ہے، یعنی سورہ فاتحہ۔ تقابل و تجزیہ کی خاطر ہر آیت کا ترجمہ اس کے سامنے کے کالم میں دیا جا رہا ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم	بنام خدائے بخشایندہ مہربان
الحمد لله رب العٰلمين	ستائش خدا راست پروردگارِ عالمہا
الرحمن الرحيم	بخشایندہ مہربان
مٰلك يوم الدين	خداوندِ روزِ جزا
اياك نعبد و اياك نستعين	ترامی پرستیم واز تو مدد می طلبیم
اهدنا الصراط المستقيم	بنما مارا راہِ راست
صراط الذين انعمت عليهم	راہِ آنانکہ اکرام کردہ بر ایشاں
غير المغضوب عليهم و لاالضالين	بجز آنانکہ خشم گرفتہ شد بر آنہا و بجز گمراہاں

فارسی ترجمہ میں ایک لفظ بھی زائد نہیں ہے سوائے 'از' کے کہ عربی میں 'ایاک نستعین' میں اس کی ضرورت نہیں مگر فارسی زبان میں 'از' لانا ضروری بلکہ ناگزیر ہے کہ اس کے بغیر 'تو مدد می طلبیم' بے معنی ہو جاتا ہے۔ یہاں کہہ سکتے ہیں کہ 'از تو' عربی لفظ 'نستعین' میں سے برآمد ہوا ہے۔ ترجمہ کا کمال یہ ہے کہ عربی الفاظ کا جو در و بست اور ترتیب ہے وہی فارسی ترجمہ میں موجود ہے۔ اگر ہر عربی کلمہ کے نیچے اس کا ولی اللٰہی

ترجمہ رکھ دیا جائے تو اس کا وہی لفظی ترجمہ بھی ہوگا۔ ادبی حسن و جمال کے لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ فارسی ترجمہ اپنی خوبصورتی، دل نشینی اور ادبیت میں بے نظیر ہے اور اس کا اسلوب قرآنی اسلوب سے قریب تر ہے۔ ''**بسم اللہ الرحمن الرحیم**'' کا فارسی ترجمہ (بنام خدائے بخشایندہ مہربان) زبان و دماغ پر ایک ہی بار میں نقش ہوجاتا ہے کہ وہ اسی کے مماثل ہے۔ بسملہ کا ترجمہ ہر جگہ شاہ صاحب نے اسی طرح کیا ہے۔ **الرحمٰن** کا ترجمہ ''بخشایندہ'' اور **الرحیم** کا ترجمہ ''مہربان'' کرتے ہیں۔ دوسرے مترجمین بالخصوص اردو میں ترجمہ کرنے والے ''بڑے مہربان نہایت رحم والے'' (تھانوی)، بے حد مہربان نہایت رحم والا'' (شیخ الہند)، ''نہایت مہربان بار بار رحمت کرنے والے'' (دریابادی)، ''رحمان ورحیم'' (مودودی، اصلاحی) سے کرتے ہیں۔ موخر الذکر دونوں نے قرآنی الفاظ کا ترجمہ ہی نہیں کیا اور انہی کو ترجمہ میں رکھ دیا، جب کہ دوسروں کے ہاں شاہ عبد القادر کے ترجمہ ''بڑا مہربان نہایت رحم والا'' کا واضح اثر موجود ہے، بلکہ اس کو خالص کورانہ تقلید کہا جاسکتا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد نے ''نہایت رحم والا مہربان'' ترجمہ کرکے ترتیب الٹ دی ہے، مگر شاہ عبد القادر کی ڈگر سے نہیں ہٹ سکے۔ شاہ ولی اللہؒ کے ترجمہ میں ''رحمٰن'' اور ''رحیم'' کا 'بخشایندہ' اور 'مہربان' سے دونوں عربی صفات کا امتیاز واضح کیا گیا ہے اور ذہین قاری کو بتایا گیا ہے کہ دونوں کے مفاہیم میں قربت کے باوجود وسعت وتنوع پایا جاتا ہے۔ اسی طرح 'بسم' کا ترجمہ 'بنام' کرکے شروع، ابتدا وغیرہ جیسے کلمات کے اضافے سے بھی بچایا گیا ہے اور اس کے معنیٰ کو محدود کرنے کی کوشش بھی نہیں کی گئی ہے، جو محذوف کو واضح کرنے کی صورت میں ناگزیر بن جاتی ہے۔

مختصر صورتوں میں عربی نظم قرآن کی فارسی زبان میں رعایت بہت خوب صورت انداز میں ملتی ہے۔ سورۃ العصر کا ترجمہ الفاظ قرآنی اور الفاظِ ترجمہ کی باہمی مماثلت دکھانے کی خاطر اوپر نیچے کے طریقِ تحریر پر کیا جارہا ہے:

والعصر	**ان الانسان لفی خسر**	**الا الذین آمنوا وعملو الصلحت**
وقسم بزمان	کہ ہرآئینہ آدمی درزیاں ست	مگرآنانکہ ایمان آوردند وعملہائے شائستہ کردند

وتواصوا	بالحق	وتواصوا	بالصبر
ویکدیگرراوصیت کردند	بہ دین درست	ویکدیگرراوصیت کردند	بہ شکیبائی

قرآن مجید کی مختصر ترین سورۃ الکوثر کا دروبست ترجمہ یہ ہے:

اناا‌عطینک الکوثر	فصل لربک وانحر	ان شانئک ھوالابتر
یامحمد ہرآئینہ ما عطا کردیم	پس نماز گزار برائے پروردگار	ہرآئینہ دشمن تو ہمانست
تراکوثر	خودوشتررانحرکن	دم بریدہ

شاہ صاحب کے فارسی ترجمہ کا حسن و جمال اور ادبی فصاحت وبلاغت نیز عربی نظم سے فارسی نظم کی مماثلت سورۃ انشراح میں بہت زیادہ واضح ہے:

الم نشرح لک صدرک	ووضعنا عنک وزرک
آیا کشادہ نہ کردہ ایم برائے تو سینہ ترا	ودور کردیم ازتو بارترا
الذی انقض ظھرک	ورفعنا لک ذکرک
آں بارکہ گراں کردہ بود پشت ترا	وبلند ساختیم برائے تو ثنائے ترا
فان مع العسر یسرا	ان مع العسر یسرا
پس زیرا کہ ہرآئینہ متصل دشواری آسانی ست	البتہ متصلِ دشواری آسان ست
فاذا فرغت فانصب	والی ربک فارغب
پس وقت کہ از کاروبار فارغ شوی درعبادتِ خدامحنت کش	وبسوی پروردگارِ خود تضرع نما

مختصر سورتوں میں سورۂ اخلاص کا ولی اللہی ترجمہ بہت خوب صورت اسلوب و بیان کا مالک ہے:

قل ھو اللہ احد	اللہ الصمد	لم یلد ولم یولد	ولم یکن لہ کفواً احد
بگوخدا یگانہ ست	خدا بے نیاز ست	نہ زاد ونہ زادہ شدہ	ونیست ہیچ کس اوراہمسر

طویل اور متوسط سورتوں میں بھی شاہ ولی اللہ دہلوی نے عربی الفاظ وعبارت کی اندرونی ترتیب ودروبست اور عددی گنتی کی رعایت اپنے فارسی ترجمہ میں برابر رکھی ہے۔ سورہ بقرہ کے اولین رکوع کا ترجمہ بطور مثال پڑھا جاسکتا ہے:

آلٓم ذلک الکتب لاریب فیه هدی اللمتقین الذین یومنون بالغیب
این کتاب ہیچ شبہ نیست دراں رہنماست پرہیزگاران را آنانکہ ایمان می آرند بہ نادیدہ
ویقیمون الصلوٰۃ ومما رزقنھم ینفقون
وبرپا می دارند نماز را وازاں چہ ایشانرا روزی دادہ ایم خرچ می کنند
والذین یومنون بما انزل الیک ومآانزل من قبلک
وآنانکہ ایمان می آرند بآنچہ فرود آوردہ شد بسوئے تو وآنچہ فرود آوردہ شد پیش از تو
وبالآخرۃ ھم یوقنون اولئک علی ھدی من ربھم
وبآخرت، ایشان یقین دارند ایشانند بر ہدایت از جانب پروردگار خویش
واولئک ھم المفلحون ان الذین کفرو سواء علیھم ء انذرتھم
وایشانند رستگان ہرآئینہ آنانکہ کافر شدند برابر است برایشان کہ ترسانی ایشاں را
ام لم تنذرھم لایومنون ختم اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم
یانہ ترسانی ایشان را ایمان نیارند مہر نہاد خدا بردلہائے ایشان وبرشنوائی ایشاں
وعلی ابصارھم غشاوۃ ولھم عذاب عظیم
وبرچشمہائے ایشاں پردہ ایست وایشاں راست عذابِ بزرگ

آیت الکرسی طویل سورتوں میں شاید طویل ترین آیت کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کا ترجمہ ولی اللّٰہی بھی خوب ہے:

اللہ لاالہ الاھو الحی القیوم لاتاخذہ سنۃ ولانوم
خدا، ہیچ معبود نیست بجز وے زندہ تدبیر کنندۂ عالم نمی گیرد اورا، پینکی ونہ خواب
لہ مافی السموت ومافی الارض من ذالذی یشفع عندہ الاباذنہ
اوراست آنچہ درآسمانہاست وآنچہ درزمین است کیست آنکہ شفاعت کند، نزدیک اوالا بحکم او
یعلم مابین ایدیھم وماخلفھم ولایحیطون بشیٔ من علمہ
میداند آنچہ پیش دست ایشان است وآنچہ پس پشت ایشان است ودرنمی گیرند مردماں، ازمعلومات حق چیزے را
الابماشاء وسع کرسیہ السموت والارض

مگر بآنچہ وے خواستہ است　　فراگرفتہ پادشاہیٔ او آسمان ہا و زمین را

ولا یؤدہ حفظھما وھو العلی العظیم

وگراں نمی شود بروئے نگہبانی این ہر دو و او بلند مرتبہ بزرگ قدر راست۔

شاہ ولی اللہ نے ترجمہ میں اگر زیادہ الفاظ کا استعمال معانیٔ آیات کی وضاحت کی خاطر کیا ہے تو اس سے پہلے لفظ 'یعنی' وغیرہ لاتے ہیں، لیکن اگر عربی لفظ کے صحیح مفہوم کی ترسیل کے لیے 'موضح و مفسر' الفاظ کا اضافہ کرتے ہیں تو ان کو عربی نظم سے زائد عبارت نہیں گردانتے، کیوں کہ ان اضافی الفاظ کے بغیر صحیح معنی ادا نہیں ہوتے۔ مثلاً سورۂ عصر کی آیت کریمہ ''وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ'' میں فارسی الفاظ کا اضافہ ملتا ہے۔ ''وَتَوَاصَوا'' صرف ایک عربی لفظ ہے مگر اس کا ترجمہ ''یکدیگر را وصیت کردند'' سے کیا ہے، اسی طرح ''حق'' کا ترجمہ یہاں ''دین راست'' سے کیا جس میں راست کی صفت ان کے خیال میں معانی کی ترسیل کے لیے ضروری تھی اور ''تواصی'' باب تفاعل میں باہمی اشتراک کا تقاضا کرتا ہے، لہٰذا 'یک دیگر را' کا اضافہ معنی کا جزو ہے، اضافہ نہیں۔ اسی طرح سورۂ کوثر میں اولین آیت کے ترجمہ ''یا محمد'' کے خطاب سے شروع کرنا آیت کے الفاظ کے تخاطب کی بنا پر ضروری ہوگیا۔ دوسری آیت میں 'وانحر' کا ترجمہ 'شتر را' کا اضافہ کیا ہے کہ 'نحر' ہمیشہ اونٹ ہی کا ہوتا ہے، یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ لفظ ''قربانی کن'' سے بھی ترجمہ کیا جاسکتا تھا، کیوں کہ اصل مراد قربانی ہے کہ کسی خاص جانور کی قربانی۔

حضرت مترجم نے 'قوانین در ترجمہ' اور 'فتح الرحمٰن' دونوں کے مقدموں میں وضاحت کی ہے کہ بسا اوقات ایک عربی لفظ کا ترجمہ صرف ایک فارسی لفظ سے نہیں کیا جاسکتا کہ فارسی لفظ اپنے اصل کا کامل معنٰی نہیں بتاتا، لہٰذا دوسرے اضافی الفاظ لانے ناگزیر ہوتے ہیں جو عربی لفظ کے کامل معنٰی کی ترسیل کرتے ہیں اور یہ اضافی الفاظ اضافی نہیں رہ جاتے بلکہ تمام مل کر عربی لفظ کے معنٰی بتاتے ہیں۔ ایسی مثالیں بہت سی ہیں، لیکن ان میں سے اکثر کا تعلق عربی افعال سے ہے، اسماء و صفات سے نسبتاً کم ہے۔ سورہ بقرہ: ۸۵ میں واقع لفظ ''تَظٰھَرُوْنَ'' کا ترجمہ 'یکے مددگار دیگرے می شوید' سے

کیا ہے۔اس کی وجہ ظاہر ہے۔عربی میں ایک ہی مادہ سے مشتق لفظ جب مختلف ابواب۔ افعال، مفاعلہ، استفعال، تفعیل وغیرہ۔ میں لایا جاتا ہے تو معنٰی میں اضافہ اور فرق کا فائدہ دیتا ہے اور یہ سہولت فارسی میں حاصل نہیں، لہذا کامل معنٰی کی ترسیل صرف اضافی بلکہ موضح الفاظ کے ساتھ ہی ممکن ہو پاتی ہے۔

مختلف معانی کے الفاظ: سیاق وسباق میں :

حضرت شاہ دہلویؒ اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ ایک ہی عربی لفظ اپنے سیاق وسباق کے اختلاف کی بنا پر بالکل جداگانہ معانی دیتا ہے اور عین ممکن ہے کہ ایک لفظِ عربی پانچ چھ اور سات یا ان سے زیادہ معانی دے، جیسا کہ دامغانی، سیوطی، زرکشی اور متعدد دوسرے معاجم قرآنی پر کام کرنے والوں نے بتایا ہے۔

شاہ صاحب امام ابن تیمیہ کے 'مقدمہ فی اصول التفسیر' سے بھی واقف تھے اور ان کے اس خیال سے بھی کہ عربی زبان بالخصوص قرآنی زبان میں مترادفات نہیں پائے جاتے۔ ایک لفظ ایک خاص معنٰی دیتا ہے اور دوسرا اس جیسا معنٰی تو دے سکتا ہے مگر بعینہ وہی نہیں۔ معنی کا پرتو (Shade) ضرور مختلف ہوگا اور اس کی انھوں نے متعدد مثالیں دی ہیں جیسے روٹی کے لیے 'خبز' 'رغیف' وغیرہ اور تلوار کے لیے 'سیف' 'صارم' 'مہند' وغیرہ استعمال ہوتے ہیں لیکن ان میں ہر ایک الگ قسم ہوتی ہے۔

اسی بنا پر شاہ صاحب ایک لفظ کا ترجمہ اس کے سیاق کی بنا پر کرتے ہیں اور دوسرے سیاق کے مطابق اسے بدل دیتے ہیں۔ مثلاً سورہ بقرہ ۸۵ میں ''تَظٰھَرُوْنَ'' کا جو ترجمہ اوپر گزر چکا وہی لفظ فعل جب سورہ تحریم: ۴ میں ''تظاھرا'' کی صورت میں آیا تو اس کا ترجمہ فرمایا: ''باہم متفق شوید برنجانیدن پیغمبر''۔ یہاں لفظی ترجمہ بھی مختلف ہے اور موضح الفاظ کے ساتھ بھی آیا ہے کہ سیاق کا تقاضا اسی معنٰی کا ہے۔ 'توبہ' رجوع، انابت اور توبہ کرنے کے معنی میں آتا ہے، لیکن وہ جب اللہ کے فعل کے طور پر استعمال ہوتا ہے تو اس کا معنٰی بدل جاتا ہے۔ شاہ صاحب نے سورہ توبہ: ۱۱۹ کی آیت کریمہ: ''ثُمَّ تَابَ

عَلَیْھِمْ لِیَتُوْبُوا ''میں اس کی رعایت خوب کی ہے اور ترجمہ کیا ہے: ''باز خدا برحمت متوجہ شد بر ایشاں رجوع کنند''۔ ظاہر ہے کہ ذاتِ الٰہی کی توبہ اس کی رحمت کی توجہ ہو سکتی ہے۔ لفظ 'حمد' قرآن مجید میں ۳۸ بار آیا ہے، بیش تر مقامات پر شاہ صاحب نے اس کا ترجمہ 'ستائش' سے کیا ہے جیسے فاتحہ:۱، انعام:۱، حجر: ۹۸، نحل:۷۵، اسراء :۱۱۱، کہف:۱، مومنون: ۲۸ وغیرہ۔لیکن بعض مقامات پر سیاق کے اختلاف میں دوسرا لفظ لائے ہیں جیسے انعام: ۴۵ میں 'سپاس' ہے، وہی اعراف:۴۳، ابراہیم:۳۹، نمل:۵۹، صٰفّٰت:۱۸۲ میں ہے۔ ستائش تو کسی کی طرف سے ہوسکتی ہے، مگر سپاس صرف بندوں کا ہوتا ہے۔ جبکہ یونس:۱میں حمد ہے، یہی طٰہٰ:۱۳۰ وغیرہ میں ہے کہ یہاں تقاضا عربی لفظ کا ہے۔

مترادف ومترادفات میں معانی کے پہلو، رنگ، آہنگ کے فرق سے حضرت مترجم کی واقفیت کا ایک ثبوت تو لفظ 'حمد' کے ترجمہ میں ہی ملتا ہے، انھوں نے غالباً کسی جگہ اس کا ترجمہ 'شکر' سے نہیں کیا ہے، کیوں کہ 'شکر' بھی قرآن مجید میں متعدد مقامات پر استعمال ہوا ہے(۷۳ بار بقول فواد عبد الباقی مختلف اشکال میں) حالاں کہ متعدد صاحبانِ علم ومعرفت نے 'حمد' کو شکر کے معنی میں استعمال کیا ہے، یا اس کا ترجمہ شکر سے کیا ہے۔ (اصلاحی، تدبر قرآن نے سورۂ فاتحہ میں الحمد کا ترجمہ 'شکر کا سزاوار حقیقی' سے کیا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ ''قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی یہ لفظ اس ترکیب کے ساتھ استعمال ہوا ہے اسی مفہوم کو ادا کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے جس مفہوم کو ہم 'شکر' لفظ سے استعمال کرتے ہیں'' اور سند میں اعراف:۴۳، یونس:۱۰، ابراہیم:۳۹ کی آیات نقل کی ہیں، جب کہ یہ دعویٰ صریحاً غلط ہے۔شاہ صاحب نے دو سورتوں: اعراف اور ابراہیم میں 'سپاس' سے اور یونس میں 'حمد' سے ترجمہ کیا ہے۔

الفاظ کے صحیح معانی

قرآن مجید میں اسی طرح لفظ 'عائل' اور 'فقیر' دونوں استعمال ہوئے ہیں، مگر بیش تر قدیم وجدید مفسرین نے سورۂ الضحیٰ ۸: ''وَوَجَدَکَ عَائِلاً فَاَغْنٰی ''میں وارد

لفظ 'عائل' کا ترجمہ 'فقیر' کرڈالا ہے (ابن کثیر وغیرہ) اردو مفسرین میں شاہ عبد القادر نے اور ان کے تتبع میں مولانا محمود حسن نے 'مفلس' کیا ہے اور بعض دوسروں کے ہاں بھی یہی ہے۔ مولانا اصلاحی اور مولانا مودودی نے 'محتاج' اور 'نادار' کیا ہے۔ اس پسِ منظر میں شاہ صاحب کا ترجمہ ''تنگدست'' خوب لطف دیتا ہے۔ پوری آیتِ کریمہ کا کیا عمدہ ترجمہ ہے: ''ویافت ترا تنگ دست پس تونگر ساخت''۔ اسی لفظ کی دوسری شکل 'عیلۃ' سورہ توبہ: ۲۸ میں آئی ہے، وہاں اس کا ترجمہ 'درویشی' کیا ہے اور حاشیہ میں وضاحتی الفاظ سے اس درویشی کی صورت گری کی ہے یعنی بسبب 'انقطاعِ سوداگراں' اگر یہ 'درویشی' تم پر نازل ہوجائے تو اندیشہ نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے فضل سے غنی اور تونگر بنادے گا۔ مترادف کی رعایت کی مزید مثالیں بھی شاہ صاحب کے ترجمہ سے پیش کی جاسکتی ہیں، مگر ان سے بحث طویل ہوجائے گی۔

ولی اللّٰہی ترجمہ میں اضافی الفاظ کی متعدد مثالیں اوپر گز چکی ہیں، لیکن اس بحث یا نکتہ کی مزید تنقیح کے لیے چند باتیں اور پیش کی جارہی ہیں۔ مختصر اضافہ کے لیے لفظ 'یعنی' وغیرہ کے بعد کلامِ شاہ آتا ہے اور ایک دو، تین فقروں پر مشتمل اضافہ، جس کو شاہ صاحب نے مستقل کلام کہا ہے ''مترجم گوید'' کے بعد آتا ہے۔ ان دونوں کی مثالیں الگ الگ نقل کی جارہی ہیں۔

'یعنی' کے بعد مختصر اضافہ کی مثال سورہ توبہ: ۲۷ ''ثُمَّ یَتُوْبُ اللّٰہُ مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ عَلٰی مَنْ یَّشَاءُ '' کا ترجمہ ہے: ''باز برحمت باز گردد خدا بعد ازین بر ہر کہ خواہد'' اور آخری فقرہ کی وضاحت کی ہے: یعنی توفیق اسلام دہد ہر کرا خواہد از کافراں''۔ درویشی کی توضیح کے لیے وضاحتی فقرہ اوپر نقل ہوچکا۔ ''ذٰلِکَ قَوْلُھُمْ بِاَفْوَاھِھِمْ '' کا ترجمہ کرتے ہیں: ''ایں قول ایشاں ست بدہانِ خود'' اور وضاحتی جملہ/فقرہ ہے: 'یعنی اصلی ندارد'۔ اسی آیت میں ''یُضَاھِؤُنَ قَوْلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ '' میں وضاحتی فقرہ ''یعنی مشرکان کہ ملائکہ رابنات اللہ می گویند'' ہے، جب کہ ''اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ'' کے ترجمہ: ''چگونہ برگردانیدہ می شوند'' کا وضاحتی فقرہ ''یعنی از راہ صواب'' ہے۔

سورۂ اعراف: ۷: ۱۶۷ میں ''لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ ......'' کا ترجمہ کرنے کے بعد عذابِ الٰہی کے مَورِد کو ''یعنی بنی اسرائیل'' سے واضح کیا ہے۔ اگلی آیتِ کریمہ: فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتٰبَ ......'' کا ترجمہ ہے: ''بعد از ایشان جانشینانِ بد کہ وارث توریت شدند'' کی تشریح میں لکھا ہے: ''یعنی احبار بنی اسرائیل'' اسی سورہ کی آیت کریمہ: ''وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا '' (واگر می خواستیم برداشتمی اورا'' کا تشریحی فقرہ ہے: ''یعنی منزلت اورا'' اور اسی آیتِ کریمہ کے اگلے حصے میں کتے کی مثال سے متعلق فقرہ کا ترجمہ حضرت مترجم نے صحیح عربیت کے اعتبار سے کیا ہے: ''فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ '' ''پس صفت او مانند صفت سگ ست، اگر مشقت اندازی بروے (یعنی بزدن ودوانیدن) زبان از دہن بیرون افگند واگر معطل بگذاری اورا نیز بیرون افگند......'' شاہ صاحب نے ''تَحْمِلْ عَلَيْهِ'' کا ترجمہ 'اسے مشقت میں ڈالنے' سے کیا ہے اور اس کی تشریح کی ہے کہ 'اسے مارا جائے یا دوڑایا جائے'۔ متعدد اردو تراجم میں اس کا معنٰی 'حملہ کرنا' کیا گیا ہے، جو صریحاً غلط ہے۔ (......کہ تم اس پر حملہ کرو تب بھی زبان لٹکائے رہے...... مولانا مودودی) مولانا اصلاحی نے 'دھتکارنا' ترجمہ کیا ہے اور وہ بھی صحیح نہیں، تشریح میں مولانا اصلاحی کا بیان کہ ......لکڑی اٹھاؤ یا اس پر پتھر پھینکو......'' ۳/ ۳۹۷ بھی بہت صحیح نہیں۔ حضرت مولانا تھانوی نے بھی 'حملہ کرنا' ترجمہ کیا ہے، ان کے مسترشد دریابادی نے کھیدے رگیدے' کیا ہے، شاہ عبدالقادر نے ''لادے'' کیا ہے اور ان کے خوشہ چیں حضرت شیخ الہند نے اس کی مزید وضاحت کی ہے کہ ''اس پر تو بوجھ لادے تو ہانپے......) حضرت شاہ صاحب کا ترجمہ سب سے زیادہ صحیح ہے۔

حواشی میں کلام مستقل کی نوعیت ایک دو تین فقروں اور جملوں کی بھی ہے اور کامل ایک پیرا گراف اور پورے بیان کی بھی۔ فتح الرحمٰن کا پہلا حاشیہ سورہ فاتحہ میں ''الْعٰلَمِيْنَ'' (عالمہا) کی تشریح سے متعلق محض ایک فقرہ ہے: ''مترجم گوید: یعنی عالم انس و عالم جن و عالم ملائکہ وعلی ہذا القیاس'' دوسرا حاشیہ اسی سورہ کی آخری آیت میں اسی

سورہ کی آخری آیت میں وارد ''غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ '' سے متعلق دو تین جملوں پر مشتمل ہے: ''مترجم گوید: مراد از آنانکہ اکرام کردہ شد بر آنہا چہار فرقہ اند: نبین و صدیقین وشہداء وصالحین ، ومراد از آنانکہ خشم گرفتہ شد بر آنہا یہود اندو از گمراہان نصاریٰ۔'' اسی طرح سورۂ بقرہ کا پہلا حاشیہ دوفقروں پر مشتمل ہے اور وہ آیتِ کریمہ: ۱۸ سے متعلق ہے: ''مترجم گوید کہ حاصل مثل آن ست کہ اعمال منافقان ہمہ حبط شود چناں کہ روشنی آں جماعت دور شد۔'' جب کہ دوسرا حاشیہ خاصا بڑا ہے: ''مترجم گوید کہ حاصلِ مثل آن ست کہ منافقان در ظلماتِ نفسانی افتادہ اند و چوں مواعظ بلیغہ شنوند فی الجملہ ایشاں را تنبیہی می شود وآں فائدہ نہ کند مانند مسافراں کہ در شب تاریک وابر حیراں باشند و در برق دو سہ قدم بروند و باز ایستند واللہ اعلم'' (متعلق بہ آیت: ۲۰)

قرآنی قصص الانبیاء سے متعلق شاہ صاحب کا ایک تشریحی حاشیہ سورۂ بقرہ کی آیتِ کریمہ: ۴۹ میں بنو اسرائیل کے لڑکوں کے ذبح کیے جانے اور لڑکیوں کے بچائے جانے سے متعلق ہے: ''مترجم گوید: سبب کشتنِ پسراں آں بود کہ کاہنان فرعون را خبر دادہ بودند کہ در بنی اسرائیل پسرے پیدا شود کہ باعثِ برافتادن پادشاہی او گردد۔'' اسی سورہ کی اگلی آیتِ کریمہ میں حضرت موسیٰؑ سے چالیس راتوں کے وعدہ سے متعلق تشریحی حاشیہ اس سے بھی زیادہ طویل ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیات: ۵۴ اور ۵۶ کے حواشی بھی کافی بڑے ہیں اور حضرت موسیٰؑ سے متعلق ہیں۔ بنو اسرائیل سے متعلق اگلے حواشی بھی کافی مفصل ہیں جیسے آیات کریمہ: ۶۶، ۷۹، ۸۵، ۸۷ وغیرہ۔

سورۂ بقرہ کی آیات کریمہ: ۱۲۳ کا تشریحی حاشیہ رسول اکرم ﷺ کی نبوت کے اثبات سے متعلق خاصا مفصل ہے: ''مترجم گوید: ازیں جا تا سیقول السفہاء'' خدائے تعالیٰ اثبات می فرماید ثبوت پیغمبر ما را ﷺ از قصہ دعاء حضرت ابراہیم کہ در توریت مذکور است وترجیح می دہد ملتِ حنیفیہ را کہ حضرت پیغمبر برائے آں مبعوث اند، ورد می کند قول یہود را کہ حضرت یعقوب ما را بہ یہودیت وصیت کردہ است واز تفریق انبیاء نہی می فرماید یعنی معتقد بعضی باشد و منکر بعضی۔'' تحویل قبلہ سے متعلق آیت کریمہ ۱۳۸: ''صبغۃ

اللہ'' قبول کردیم رنگِ خدارا'' کا تشریحی حاشیہ نہ صرف یہ کہ طویل ہے بلکہ اسلامی نبوی تعلیمات کا نچوڑ پیش کرتا ہے:

''مترجم گوید: چوں کہ آں حضرتﷺ بہ مدینہ ہجرت فرمود شانزدہ ویاہفتدہ ماہ بطرفِ بیت المقدس نماز می گذارد و آرزو می کرد کہ خدائے تعالیٰ کعبہ را قبلہ وے سازد۔ خدائے تعالیٰ نازل کرد: قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ الی آخرہ'' بعدازاں جواب شبہ سفہاء دریں مسئلہ نازل کرد: سَیَقُوْلُ السُّفَهَاءُ، بعدازاں امر فرمود بہ صبر بر مشاقِ جہاد و در بسیارے از احکام توحید وقصاص وحج وصوم وصدقہ ونکاح وطلاق کہ اہل جاہلیت تحریف کردہ بودند یا رعایتِ انصاف نمی کردند، بیان حقیقت حال فرمود در رد وابطالِ بشبہاتِ مخالفین کرد وسوالہاے ایشان را جواب داد وایں سیاق ممتد است تا آخر اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوا، واللہ اعلم۔'' یہی طویل حاشیہ دوبارہ ''سَیَقُوْلُ السُّفَهَاءُ '' کی تشریح میں لکھا گیا ہے۔ نہ معلوم حضرت مترجم نے خود اس تکرار کو پسند فرمایا تھا یا طباعت وکتابت کا مشہورِ عالم کارنامہ ہے۔

سورۂ بقرہ کی آیتِ کریمہ: ۱۷۳ میں حرام کھانوں سے متعلق شاہ صاحب کا تشریحی حاشیہ قرآن وسنت کے تعلق، تطبیقِ حدیث وقرآن، فقہی تدبر اور نظمِ قرآن کی خوب صورت وضاحت کرتا ہے: ''مترجم گوید کہ اگر گوئی کہ دریں آیت حصر کردہ شد تحریم را در اشیاءِ مذکور، حالاں کہ در حدیث سباع وحمار و مانند آں نیز حرام شمردہ است پس وجہِ تطبیق چہ باشد، گویم: حصر اضافی است بہ نسبت کائر وسوائب کہ حرام می دانستند۔ پس در بہیمۃ الانعام ہیچ حرام نیست غیر اشیاءِ مذکورہ، ودر خبائث وسباع و مانند آں سخن نداشتند، واللہ اعلم۔'' اسی سورۂ کریمہ کی آیت: ۱۷۹، جو قصاص سے متعلق ہے، کا تشریحی حاشیہ غالباً سب سے طویل حواشی میں سے ہے اور حضرت شاہ کے فہم قرآنی اور تدبر حکمت کی سب سے زیادہ واضح مثال بھی۔

حواشی کی بحث میں آخری مثال سورۂ آل عمران کی آیت: ۱۲۰: ''اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ '' کے ترجمہ سے متعلق ہے: ''درغزوۂ احد اہل نفاق میل

کردند تا آنکہ در شہر متحصن شوند و اصحاب خواستند کہ بیرون آمدہ جنگ کنند۔ بعد ازاں کہ ہزیمت واقع شد منافقان ایں را محل طعن گرفتند و وقت حرب حضرت پیغامبر بر شعبی جماعت را مقید ساختند کہ ازیں جانبند۔ چوں آثار فتح ظاہر شدن گرفت آں جماعت در پے غارت افتادند و عصیان پیغمبر کردند، بشومیٔ ایں عصیاں ہزیمت بر مسلمان افتاد و ہمہ فرار کردند الا ماشاء اللہ۔ در ینولا خبر شہادت حضرت پیغمبر شائع شد، منافقاں قصد ارتداد کردند پس در جواب طعن منافقاں و عتاب خلاف امر کنندگاں و تشنیع بیوفایاں حق سبحانہ نازل کرد۔'' حضرت مترجم کا یہ خیال کہ صرف منافقوں نے شہر میں محصور ہوکر جنگ کرنے کی بات کہی تھی اور تمام صحابۂ کرام میدان جنگ جانے پر مصر تھے، صحیح نہیں ہے۔ صحابہ کی اکثریت بلکہ غالب اکثریت اور خود رسول اکرم ﷺ کا یہی خیال تھا کہ شہر میں ہی رہ کر مقابلہ کیا جائے لیکن جوشیلے مسلمانوں کا اصرار غالب آیا۔ البتہ یہ نکتہ صحیح ہے کہ ہزیمت کی صورت میں منافقین ارتداد کی سوچنے لگے تھے۔ یہ نیا نکتہ بھی ہے۔

مختصر تشریحی فقروں اور جملوں اور مفصل وطویل تر حواشی سے حضرت مترجم کی بیان کردہ دوسری انفرادیتِ ترجمہ کا بھی اثبات ہوتا ہے کہ وہ ہر جگہ قصہ نہیں بیان کرتے اور بلاوجہ اسرئیلی روایات بھی نہیں لاتے، صرف انہی مقامات پر قصہ یا اسرائیلی روایت پیش کرتے ہیں جہاں آیت زیرِ بحث کے معنٰی کی تفہیم اس پر منحصر ہوتی ہے۔ ان کا یہ دعویٰ قطعی صحیح ہے کہ انھوں نے اس باب میں افراط وتفریط سے بچ کر 'راہِ اوسط' اختیار کی ہے۔ ان تمام تشریحی حواشی کا ایک تحقیقی مطالعہ بالخصوص اس زاویہ سے بہت دل چسپ نکات وحقائق کو سامنے لائے گا۔

تیسری امتیازی انفرادیت، جس کا شاہ صاحب نے ذکر کیا ہے، وہ 'یک گیر ومحکم گیر' کے اصول کے تحت مختلف ومحتمل توجیہات میں سب سے راجح ومضبوط کو انتخاب کرنے سے متعلق ہے، لیکن اس میں چار جہات کی رعایت رکھی ہے: (۱) وہ عربیت کے لحاظ سے سب سے قوی ہو (۲) حدیث کے لحاظ سے واضح تر ہو (۳) فقہی لحاظ سے مضبوط ترین ہو اور (۴) عربی قواعدِ صرف کے اعتبار سے صحیح ترین ہو۔ اس باب میں

انھوں نے امام واحدیؒ (علی بن احمد نیشاپوری م ۴۶۸ھ/۱۰۷۵ء) کی کتاب 'وجیز' اور جلال الدین سیوطیؒ م ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء اور جلال الدین محلیؒ (م۸۶۴ھ/۱۴۵۹-۱۴۶۰ء) کی مشترکہ تفسیر جلالین کا بھی حوالہ دیا ہے۔ یہ دونوں اختصار میں اپنی نظیر نہیں رکھتی ہیں۔ شاہ صاحب نے ترجمہ اور حواشی دونوں میں اس نکتہ کا چاروں جہات کے مطابق کیوں کر لحاظ رکھا ہے وہ چند مثالوں سے واضح کیا جا سکتا ہے۔

عربیت کا لحاظ:

گذشتہ بحث میں عربیت کی رعایت کی کئی مثالیں گزر چکی ہیں۔ایک مطالعہ میں سورہ بقرہ:۱۴۳ میں وارد لفظ ''اُمَّةً وَّسَطاً'' کا ترجمہ گروہِ مختار''، بقرہ:۱۷۷: وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ'' کا ترجمہ ''وبدہد مال باوجود دوست داشتن آں مال''، بقرہ:۲۰۵: وَإِذَا تَوَلّٰى سَعَى فِي الْاَرْضِ ''میں 'تولیٰ' کا ترجمہ ''ریاست پیدا کند''، سورہ آل عمران: ۱۴۰: ''......وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ'' میں 'شہداء' کا ترجمہ ''شہید گرداند''، اسی سورہ کی آیت: ۲۰۰ میں واقع لفظ 'وَرَابِطُوا'' کا ترجمہ ''وبرائے جہاد آمادہ باشید اور اسی سورہ کی آیت: ۱۹: وَاخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ...... '' کا ترجمہ ''واختلاف کردند یعنی درقبول اسلام''، سورہ نساء:ا میں واقع لفظ ''وَالْاَرْحَامَ'' کا ترجمہ ''قطعہ قبیلہ داری'' سورہ انفال:۶۴: ''يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ ......'' کا ترجمہ ''اے پیغامبر! کفایت کنندہ است ترا خدا......'' سورہ یونس:۶۶: ''وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ......'' کا ترجمہ ''وپیروی نمی کنند آنانکہ پرستش می کنند بجز خدائے شریکاں......'' اور سورۂ بنی اسرائیل:۱۶: ''وَإِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا ''میں واقع 'امرنا' کا ترجمہ 'می فرمائیم بسرکشاں آں جا آنچہ خواہیم......' کیا ہے۔اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ دوسرے مفسرین کے ترجمہ وتفسیر کے مقابلہ میں شاہ ولی اللہ کا ترجمہ زیادہ صحیح ہے اور عربیت کے قریب تر ہے (محمد سعود عالم قاسمی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی قرآنی فکر کا مطالعہ ۱۴-۱۰۹)

چند اور مختصر مثالیں اس نکتہ کی وضاحت کے لیے پیش کی جاتی ہیں۔ سورۂ بقرہ: ''......وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا' کا ترجمہ شاہ صاحب نے کیا ہے: ''......وبنما مارا طریق عبادتہائے ما''۔ مختلف مفسرین اور اہل لغت و بلاغت نے دونوں لفظوں کے مختلف معانی بتائے ہیں، جن کا حوالہ مولانا دریابادی نے بھی دیا ہے۔ شاہ صاحب نے دونوں کے منتخب معانی بیان کرکے عربیت کی پوری رعایت رکھی ہے کہ ''اَرِنَا'' کے معنی دکھادینے اور ''مَنَاسِکَنَا'' کے معانی ''طریق عبادت ہائے ما'' (ہماری عبادت کے طریقے دکھادینے) کا جو ترجمہ کیا ہے وہ سب سے اچھا ہے کہ اس میں عام دکھانے کا مفہوم بھی شامل ہے اور سکھادینے کا بھی اور چوں کہ اس دعائے ابراہیمی کا ذکر بیت اللہ کی تعمیر کے حوالے سے آیا ہے لہٰذا وہاں طریقِ عبادت دکھادینے کا مفہوم و معنی زیادہ معنی خیز بھی ہے اور نظمِ آیت کے لحاظ سے بہترین بھی اور اسی کے ساتھ وہ عمومی طریقِ عبادت کی تعلیم سے بھی متعلق ہے۔

حدیث سے مطابقت:

شاہ صاحب صرف عربیت سے مطابقت کو معنیٰ آفرینی کے لیے کافی نہیں سمجھتے، بلکہ قرآنی ترجمہ میں حدیث نبوی کی موافقت اور اس کی رعایت کو لازمی قرار دیتے ہیں، کیوں کہ سنت و قولِ نبوی بہترین شارحِ قرآن ہے۔ شاہ ولی اللہؒ نے اپنے فارسی ترجمہ میں حدیثِ نبوی کے لحاظ سے رعایت کا طریقہ دو طرح سے اپنایا ہے: بیش تر مقامات پر وہ حدیثِ نبوی کا حوالہ دیے بغیر ترجمہ اس کی رعایت سے کرتے ہیں اور کہیں کہیں وہ حدیث نبوی کا حوالہ بھی پیش فرماتے ہیں۔ اول الذکر کی مثالیں تلاش کرنا مشکل کام ہے کہ پورے ''فتح الرحمٰن'' میں جابجا پھیلی ہوئی ہیں، مگر ان کی نشان دہی کا کام تفسیراتِ محدثین کے حوالے سے کیا جاسکتا ہے جن کا نام شاہ صاحب نے صراحت کے ساتھ لیا ہے۔ انھوں نے امام بخاری، امام ترمذی، اور امام حاکم اور ان کی تفاسیر کا ذکر اگرچہ روایات ماثورہ کے ضمن کیا ہے، تاہم ان کا واضح اثر ترجمہ وحاشیہ ولی اللٰہی میں دکھائی دیتا ہے۔

لیکن پہلے احادیث نبوی کے صریح ذکر کے ساتھ ترجمہ وتفسیر کی مثالیں کہ ان کی پیش کش آسان ہے۔ گذشتہ بحث میں سورۂ بقرہ کی آیت کریمہ:۱۷۳ میں حرام اشیاء کے متعلق قرآن کریم کے مجمل بیان کی تفسیر بذریعہ حدیثِ نبوی کا حوالہ گزر چکا ہے۔ اس کے مطابق اس آیتِ کریمہ میں تحریم کا حصر نہیں پایا جاتا، بلکہ یہ حصر اضافی ہے اور صرف بہیمۃ الانعام سے متعلق ہے، جب کہ حدیث نبوی میں تحریم کو خبائث اور سباع کے باب میں بھی وسیع کیا گیا ہے۔

سورہ نساء:۱۵-۱۶ میں بیویوں کے بدکاری کرنے کی سزا سے متعلق یہ حکم ہے کہ انھیں گھروں میں بند کردیا جائے اور سزادی جائے۔ شاہ صاحب نے حواشی میں تشریح کی ہے کہ اس آیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے دو راہیں مقرر کر دی ہیں: شادی شدہ (ثیّب) کو سنگسار کرنے اور کنواری (بکر) کو کوڑے مارنے کی، فی الحال حبس وقید کا حکم نہیں۔ یہ آیت دوم مجمل ہے اور احادیث میں مذکور ہے کہ آزاد کنوارے یا کنواری کو سو تازیانے مارے جائیں اور آزاد شادی شدہ مرد یا عورت کو سنگسار کیا جائے اور غلام/باندی کو پچاس تازیانے مارے جائیں۔ شاہ صاحب کا یہ خیال کہ آیت:۱۵ میں مذکورہ حکم حبس وقید اب باقی نہیں، ان کے فلسفہ نسخِ قرآنی سے متاثر ہونے کی علامت ہے، ورنہ وہ اب بھی باقی ہے۔

سورہ نساء:۲۵: ''......فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ'' میں شادی شدہ باندیوں کی زنا کی سزا کا ذکر ہے اور وہ آزاد خواتین کی سزا کی آدھی ہے جس کا حوالہ اوپر آچکا ہے۔ شاہ صاحب نے اس کا اپنے حواشی میں حوالہ دے کر کہا ہے کہ ان کے بتائے ہوئے معنی حدیث میں واضح کیے گئے ہیں (......وایں معنی در حدیث مبین شدہ......)۔

اسی سورہ کی آیتِ کریمہ :۳۱ میں وارد لفظ ''کبائر'' (کبیرہ گناہوں) کی تعریف میں شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے: ''گناہ کبیرہ آنست کہ براں حد مشروع شد یا وعدۂ دوزخ کردہ آمد یا بکفر مسمی شد در قرآن یا سنتِ صحیحہ، وہر کہ از کبائر اجتناب کند صغائر

اورا نماز وروزہ وصدقہ نابود سازد۔'' دوسری بات کہ کبیرہ گناہوں سے بچنے والوں کے صغیرہ گناہ ان کے نماز و روزہ وصدقہ سے ختم ہوجاتے ہیں، اس بات کی سند حدیث سے نہیں لائی گئی ہے، مگر ہے وہ حدیث سے مستند ومستفاد۔

فتح الرحمٰن کے ترجمہ اور حاشیہ دونوں میں قرآنی آیات کے معانی ومفاہیم کی تعیین میں احادیث نبوی سے مدد لی گئی ہے اور مذکورہ بالا تفاسیر محدثین اور صحیح روایات کا حوالہ دیے بغیر انھیں برابر نقل کیا گیا ہے۔ حدیث نبوی سے شاہ صاحب کے استفادہ کا یہ باب بہت وسیع ہے اور پورے ایک تحقیقی مقالہ کا تقاضا کرتا ہے۔ یہاں چند مثالوں سے اس نکتہ کو اجاگر کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس سے یہ بھی واضح ہوگا کہ انھوں نے اپنے مقرر کردہ اصولِ تفسیر قرآنی کی کس قدر پابندی کی ہے۔

سورہ فاتحہ کی ساتویں آیت کریمہ میں واقع دو الفاظ ''الـمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ'' اور ''الضَّالِّيْنَ'' سے بالترتیب مراد یہود اور نصاریٰ کو لیا گیا ہے اور حدیث نبوی میں اس کا اظہار ملتا ہے۔ (تفسیر طبری، تفسیر ابن کثیر، وغیرہ)

شانِ نزول سے متعلق شاہ صاحب کے بیش تر حواشی حدیث کی روایات پر مبنی ہیں، جیسے سورۂ بقرہ: ۲۶ میں بَـعُوْضَـه (پشہ) (ذباب اور عنکبوت وغیرہ در دیگر صورت) کے ذکر پر کافروں کے اعتراض سے متعلق حاشیہ، سورہ بقرہ: ۵۸ میں صفا مروہ سے متعلق آیتِ کریمہ میں طواف کے شعار ہونے سے متعلق حضرت شاہ صاحب کا حاشیہ، سورۂ بقرہ: ۱۶۸ میں حلال چیزیں کھانے کے بارے میں حکم خداوندی ہے اور اس سے متعلق حضرت شاہ کا حاشیہ ہے کہ اہل جاہلیت نے بہت سی چیزوں کو مثلاً بحائر وسوائب کو حرام کرلیا تھا، لہٰذا یہ آیت اتری اور اس کی شان نزول حدیث سے ثابت ہے۔ سورۂ بقرہ: ۱۸۹ میں اشہر حج/مواقیت حج کا ذکر ہے۔ شاہ صاحب نے حدیث کی بنا پر تعیین کی ہے کہ شوال، ذی قعدہ اور نو دن ذی الحجہ کے بھی اشہر حج میں شامل ہیں۔ اہل جاہلیت کے دیوار پھاند کر گھروں میں داخل ہونے کے رسم کی تردید بھی اسی میں ہے۔ سورۂ بقرہ: ۱۹۷ میں حج کے معلوم مہینوں کی تصریح حضرت شاہ صاحب نے شوال وذی قعدہ اور عشرۂ

ذی الحجہ سے کی ہے جو حدیث پر مبنی ہے۔ مناسک حج سے متعلق شاہ صاحب کے تمام حواشی حدیث نبوی کی روایات پر ہی مبنی ہیں۔

سورۃ النساء:۵۸ میں امانات ادا کرنے کا حکم عام ہے۔ حضرت مترجم نے اس کے حاشیہ میں خانۂ کعبہ کے دروازے کی کلید اور اس کے بردار حضرت عثمان بن طلحہ حجبی کا واقعہ حدیث کی بنیاد پر نقل کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ان ہی کو کلید دے دی تھی۔ اولین آیتِ سورۂ مائدہ کے حاشیہ میں شاہ صاحب کی یہ صراحت ملتی ہے کہ چار مہینوں۔ رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم۔ میں قتال نہ کرنا چاہیے کہ وہ مقدس مہینے ہیں۔ یہ حدیث نبوی کی بنا پر تعیین کی گئی ہے۔ شانِ نزول کے باب میں احادیث نبوی سے شاہ صاحب کے استفادہ کا باب بہت وسیع ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے 'فتح الرحمٰن' کے ترجمہ اور حاشیہ دونوں کی ایک نہایت ممتاز ونادر خصوصیت یہ ہے کہ قرآنی آیات، تراکیب، الفاظ وکلمات کے معانی ومفاہیم کی تفہیم وتعیین رسول اکرم ﷺ کی احادیث مقدسہ سے کی گئی ہے۔ اور وہی صحیح ترین ترجمانی، تفہیم اور تفسیر ہے کہ خود صاحب وحی ﷺ کی زبان مبارک سے ہوئی ہے۔ سورہ مائدہ :۵ میں مردوں کو حکم ہے کہ وہ پارسا عورتوں سے نکاح کریں کہ عفت کے طالب رہیں اور شہوت رانی نہ کریں۔ ''غیر مسافحین'' کے بارے میں شاہ صاحب کا حاشیہ ہے کہ نکاح کی اجازت ہے مگر متعہ حرام ہے اور یہ تفہیم حدیث نبوی پر مبنی ہے اسی سورہ کی آیتِ کریمہ : ۴۰ سے متعلق اپنے حاشیہ میں شاہ صاحب نے تشریح کی ہے کہ عہد نبوی میں یہود نے زنا کی سزا رجم کو معطل کر رکھا تھا اور توریت کے حکم کو چھپاتے تھے۔ جب ایسا ایک مقدمہ دربار رسول اکرم ﷺ میں پیش ہوا تو آپ نے توریت کے حکم پر عمل کروایا اور ان کے فریب وتعطل اور نافرمانی کو کھول دیا۔ یہ پوری روایت حدیث نبوی پر مبنی ہے۔

سورۂ آل عمران:۳۲ میں اطاعتِ الٰہی اور اطاعت رسول اور کافروں سے اللہ کی نفرت کا حکم ہے۔ شاہ صاحب نے اس کے تشریحی حاشیہ میں نصاریٰ سے رسول اکرم

ﷺ کے مباہلہ کرنے پر راضی ہونے کی روایت بیان کی ہے جو حدیث سے لی گئی ہے، اسی طرح اس سورہ کی آیتِ کریمہ :۹۳ میں تورات کے نزول سے قبل حضرت یعقوبؑ (اسرائیل) کے بعض کھانوں کے حرام کرلینے کا حوالہ ہے۔ حضرت شاہ نے اپنے حاشیہ میں ملتِ ابراہیمی میں حلال چیزوں اور ان سے رسول اکرم ﷺ کے پرہیز کرنے پر یہودی طعن کا حوالہ دیا ہے اور پوری روایت نقل کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ملت ابراہیمی کی پابندی کی تھی۔ یہ بھی حدیث پر مبنی ہے۔ اسی سورہ کی آیت :۱۰۵ میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ پہلوں کے مانند ''مشوید ہفتا دوچند فرقہ گشتند'' حدیث میں بہتر فرقوں کا حوالہ ہے۔ آیتِ کریمہ :۱۱۳ میں اہلِ کتاب میں ایک ''امة قائمه'' کا حوالہ ہے۔ شاہ صاحب نے ان کو حضرت عبداللہ بن سلامؓ جیسے مسلمان کہا ہے اور یہ تفسیر حدیث پر مبنی ہے۔

علم فقہ کے اعتبار سے بھی قوی ترین اور مضبوط ترین رائے یا تفسیر و تاویل کو قبول کرنے کا شاہ صاحب نے دعویٰ کیا ہے اور اسے اپنے ترجمہ اور حواشی کا ایک تیسرا نمایاں وصف قرار دیا ہے۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مختلف فقہی مسالک اور متعدد فقہاء کی گوناگوں آراء میں سے کسی کو ترجیح دے کر بیان کریں گے اور باقی کو نظر انداز کریں گے، لیکن ایسا نہیں ہے۔ وہ متعدد فقہاء کی آراء بیان کرتے ہیں اور بسا اوقات ان میں سے کسی ایک کو ترجیح بھی نہیں دیتے۔ لہٰذا بعض تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ ''شاہ صاحب کسی ایک فقہ پر انحصار کرنے کے بجائے فقہ اربعہ کو اس لیے سامنے لاتے ہیں کہ جو رائے موقع کے لحاظ سے مناسب ہو اس کو ترجیح دی جائے یا آیت سے جو بعید معلوم ہوتی ہو اس کی حقیقت پر روشنی ڈالی جائے ...... (سعود عالم، ۲۴-۱۲۳) سورۂ مائدہ :۳ نقل کر کے بھوک میں مردار کھانے سے متعلق تین فقہائے کرام۔ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ۔ کی آراء نقل کر کے تینوں کی تصویب کی ہے۔ اس آیت کی تفہیم میں تینوں ائمہ کی آراء کی تصویب ممکن ہے، کیوں کہ وہ مسئلہ کے دو مختلف پہلوؤں سے متعلق ہے۔ مگر جہاں دو یا زیادہ آراء میں اختلافِ معانی ہو وہاں ترجیح کے بغیر قاری کو فقہی مشکل میں ڈالنے کے مترادف ہوگا۔

شاہ صاحب کا فقہی مسلک بلا شبہ اکثر معاملات میں حنفی ہے، لیکن وہ امام شافعیؒ کی فقہی بصیرت کے بھی قائل ہیں اور امام مالکؒ کی موطا کو سر چشمۂ حدیث اور تمام کتب احادیث کا ماخذ و مرجع سمجھتے ہیں، لہٰذا وہ ان تینوں کی روایات اور ان کے مسالک و آراء کو بالعموم اور امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے افکار و دلائل کو بالخصوص بیان کرتے ہیں۔ بسا اوقات وہ ان دونوں میں کسی کو ترجیح نہیں دیتے۔ اس سے دو مفہوم لیے جا سکتے ہیں: ایک یہ کہ وہ دونوں کی صحت کے قائل ہیں، دوسرے یہ کہ وہ اپنے ترجمہ وحاشیہ کو کسی ایک فقہی مسلک کے پابند قارئین کے لیے محدود کرنا نہیں چاہتے اور ان دونوں کے مسالک واضح کر کے یہ اشارہ دیتے ہیں کہ جو جسے چاہے قبول کر لے۔ مشکل وہاں پیش آتی ہے جہاں دو فقہاء کی آراء میں اختلاف ہو جس کی تطبیق و مطابقت نہ ہو سکے اور ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا ضروری ہو۔ شاہ صاحب کے ترجمہ سے پہلوئے ترجیح کو نکالا جا سکتا ہے کہ وہاں دو مختلف آراء کی گنجائش نہیں رہتی۔

ایک ایسی آیتِ کریمہ سورہ مائدہ: ۵ ہے جس میں 'مُحْصَنٰت' مومن یا اہلِ کتاب عورتوں سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے اپنے حاشیہ میں وضاحت کی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک 'محصنت' سے مراد پارسا عورتیں ہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک آزاد۔ شاہ صاحب نے حاشیہ میں دونوں میں سے کسی کو ترجیح نہیں دی ہے۔ (سعود عالم قاسمی ۱۲۴ و مابعد)۔ لیکن اس کے ترجمہ میں شاہ صاحب نے اپنی ترجیح مسلک امام ابوحنیفہؒ کے لیے ظاہر کر دی ہے کہ پارسا سے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ ترجمہ میں لفظ 'محصنت' ہی رکھا ہے مگر 'محصنین' کے ترجمہ میں 'عفت طلب کناں' کیا ہے اور خود قرآن مجید کی دوسری ترکیب اسی معنٰی کی تائید کر رہی ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ شاہ صاحب امام شافعی اور ان کی فقہ کے دل سے قائل تھے اور ان کا خیال تھا کہ جہاں تک ممکن ہو ان دونوں مسالک میں تطبیق دی جائے اور ایک مضبوط و مستحکم اور متحدہ فقہ اور مسلک کی بنا ڈالی جائے۔ اسی کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ کی فقہی بصیرت کے نہ صرف قائل تھے، بلکہ عام طور سے اسی پر عمل پیرا بھی تھے۔ اپنے

حواشی میں وہ بالعموم دونوں مسالک کا ذکر خیر فرماتے ہیں۔ کبھی صرف مذہب شافعی کا ہی حوالہ دیتے ہیں اور کبھی کبھی اولین فقہاء کی آراء کا بھی۔ سورہ بقرہ:۱۸۱: ''وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ '' کا ترجمہ کیا ہے کہ جولوگ روزہ رکھنے کی طاقت تو رکھتے ہیں، مگرنہیں رکھتے تو ان کو ایک درویش کھانے کا فدیہ دینا ہے اور روزہ رکھنا زیادہ افضل ہے۔ حدیث کی بنا پر فدیہ کی مقدار معین کرنے کے بعد اس آیت کے حکم کے منسوخ یا غیر منسوخ ہونے سے بحث کرتے ہیں اور آخر میں فرماتے ہیں کہ فدیہ دینا ایک مسکین کے کھانے کا ہے اور اس کی مقدار ایک مد ہے اور یہ حکم حضرات قاسمؒ وسعید بن جبیرؒ سے منقول ہے اور یہی 'مذہبِ شافعی' ہے اور اس صورت میں یہ آیت محکم اور غیر منسوخ ہے۔ انھوں نے نہ صرف فقہ شافعی کو ترجیح دی، بلکہ اس کی بنا پر آیتِ کریمہ اور اس کے حکم کے محکم وغیر منسوخ ہونے کا حکم لگایا ہے۔ مگر سورۂ بقرہ کی آیت کریمہ: ۲۲۸ میں لغوقسم کھانے کے بارے میں کسی فقہ کو ترجیح نہیں دی، بلکہ دونوں مذہبوں کے اختلاف کے مطابق مختصر تشریح کر دی ہے۔ یہاں دونوں سے مراد حنفی وشافعی مذہب ہی ہیں (ف ا یعنی لا واللہ، وبلیٰ اللہ، بغیر قصد گوید غلط دانستہ سوگند خورد علی اختلاف المذہبین۔ واللہ اعلم)

سورۂ مائدہ: ۶ میں ایک حکم ہے: 'اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ' یا مساس کردہ باشید زنان را'' یعنی عورتوں کے چھونے سے مراد جماع کرنا ہے کہ یہی خیال حضرت شاہ صاحب کا ہے۔ انھوں نے امام شافعیؒ کا مسلک بھی بیان کیا ہے کہ عورتوں کے چھوٗنے سے وضوٹوٹ جاتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہاں انھوں نے حنفی مسلک کو ترجیح دی ہے اور شافعی فقہ کونہیں مانا ہے (ف ۵: مترجم گوید: یعنی جماع کردہ باشید، ونزدیک شافعی دست رسانیدن بزنان ناقض وضو است، واللہ اعلم) اسی سورہ کی آیت: ۹۵ میں وارد حکم الٰہی کہ دورانِ حج شکار کرنے والے کو فدیہ دینا پڑے گا، سے متعلق دونوں فقہی مسالک کا ذکر کیا ہے: ''شکار کا بدلہ (جزا) یا کفارہ تین چیزوں میں سے ایک ہوسکتا ہے: شکار کے مساوی (مماثل) جانور حرم میں قربان (ذبح) کرے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مماثلت شکار اور ذبیحہ میں خلقت وہیئت میں ہوگی اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قیمت میں ہوگی یا

شکار کی قیمت کے برابر غلہ (کھانا-طعام) خرید کر مسکینوں کو ادا کرے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ہر مسکین کو ایک مُد دینا ہوگا، جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر مسکین کو نصف صاع گندم/گیہوں یا ایک صاع جو دے یا مسکینوں کی تعداد (شمار) کے مطابق روزے رکھے، جیسا کہ دونوں مذہبوں میں اختلاف ہے۔''

شاہ صاحب آیاتِ قرآنی کی تاویل بھی فقہی مسالک کے اعتبار سے کرتے ہیں۔ چنانچہ سورۂ مائدہ:۱۰۸-۱۰۶ ''یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا شَهَادَةُ بَیْنِکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ حِیْنَ الْوَصِیَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْکُمْ اَوْ آخَرَانِ مِنْ غَیْرِکُمْ .... وَاللّٰهُ لَایَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ '' ''اے مسلمانان نصاب شہادت درمیان شما وقت وصیت چوں برسد بہ یکے از شما موت، دو کس اند کہ صاحب عدالت باشند۔ ایں اسلوب نزدیک تر است بآنکہ بیارند گواہی را بر وجہ آں یعنی بر وجہیکہ باید در گواہی دادن از شما یا دیگراں از غیر شما......یا بترسند از انکہ رد کردہ شود سوگند ما بعد سوگند ہای ایشاں، و بترسید از خدا وبشنوید حکم او را و خدا راہ نمی نماید گروہِ فاسقاں را)۔ کی تاویل میں فرماتے ہیں کہ اس آیت کی تاویل مذہب شافعی کے مطابق یہ ہے کہ شہادت سے مراد وصیت ہے۔ اور منکم کا معنی ہے 'من اقاربکم' یعنی تمہارے عزیزوں/رشتہ داروں میں سے ہوں اور دو گواہوں ''اثنین'' کا ذکر احتیاط کی خاطر ہے اور قسم دلانا دعویٰ میں مدعا علیہ کی جانب سے ہوگا کہ انھوں نے خیانت کی ہے۔ اور صلوٰۃ عصر کی تعیین قسم کو زیادہ موکد بنانے کی خاطر ہے اور دو گواہوں کا اختیار وانتخاب براہِ احتیاط ہے۔ اور پہلے دو گواہوں کا مدعا علیہ کی جانب سے کھڑا کرنا اس دعویٰ پر ان کی طرف سے احتیاط (حذر) کرنے کے لیے ہے۔ اس لیے مذکورہ صورت میں خریداری کرنے پر ان کا دعویٰ تھا۔ ''فَاِنِ ارْتَبْتُمْ'' (اگر تم کو شک ہو) کسی کے دعویٰ کی طرف اشارہ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مطابق تاویل یوں ہوگی کہ نماز عصر کی تعیین اس لیے کی گئی کہ قاضی محلوں میں اسی وقت بیٹھتے ہیں۔ پس گویا یہ کہا گیا کہ ایسا سب محکمۂ قضا میں رونما ہوگا۔

سورۂ نور:۳: ''اَلزَّانِیْ لَایَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِکَةً وَّالزَّانِیَةُ لَایَنْکِحُهَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ '' کی تفسیر میں شاہ صاحب لکھتے ہیں

کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو زانی عورت اپنے جرم کا اقرار کر لے اس کا نکاح اس زانی سے کیا جائے گا۔ یہ امام احمد بن حنبل کا مذہب ہے جب کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک تاویل یہ ہے کہ مسلمانوں پر شرک اور زنا حرام قرار دیا گیا ہے۔ گویا ان کا کہنا ہے کہ وہ کسی خاص قوم کے ساتھ مخصوص ہے، یا یہ ایک ایسی آیت ہے جو منسوخ ہے اور اس میں کلام ہے۔ شاہ صاحب کی عبارت سے حقیقت واضح ہوتی ہے:

''مترجم گوید: ازیں آیت معلوم شد کہ زانیہ مقرہ بہ زنا را نکاح تواں کرد وہمیں است مذہب احمد؟ وتاویلِ آیت نزد ابی حنیفہ وشافعی آنست کہ حرام کردہ شد شرک وزنا بر مسلمان یا گویند خاص ست بقومی یا گویند منسوخ ست، وفیہ مافیہ'' (سعود عالم، ۱۲۷، کی تفسیر وتشریح نہیں ہے۔ ان کا امام احمدؒ کے مسلک کے بارے میں بیان غلط ہے۔ شاہ صاحب کی عبارت میں زنا کا اقرار کرنے والی زانیہ ہے، جس کو زنا پر اصرار کرنے والی زانیہ بنادیا گیا ہے۔ کسی قوم سے مخصوص ہونے کو کسی قول سے مخصوص قرار دیا گیا ہے۔ ''ہمین است'' سے شاہ صاحب کی ترجیح برائے مسلکِ امام احمد ثابت کرنا دور کی کوڑی لانے کے مترادف ہے)

فقہی مذاہب بالخصوص مذہبین (حنفی وشافعی) کے اختلاف کی رعایت شاہ صاحب اپنے ترجمہ کے متن میں بھی روا رکھتے ہیں۔ سورۂ بقرہ: ۲۲۸ میں لفظ 'قروء' آیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کے معنٰی ہیں 'حیض' اور امام شافعیؒ کے نزدیک 'طہر'۔ ترجمہ میں رعایت دونوں کی موجود ہے: ''وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ'' وآں زناں کہ طلاق دادہ شد ایشاں را انتظار سہ حیض یا طہر کنانند خویستن را......'' یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حیض کے معنٰی کو اولیت دینے کے سبب حنفی مسلک کو ترجیح دی ہے۔ لیکن اس کی تاویل یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ شاہ صاحب نے فقہی مسالک میں ترجیح دینے کے اصول کا اتنا خیال نہیں رکھا جتنا کہ تاریخی ترتیب واولیت کا، جس کے مطابق فقہ حنفی کو فقہ شافعی پر تاریخی سبقت حاصل ہے۔ شاہ صاحب کے فارسی ترجمہ میں مذہبین کی رعایت کی ایسی مثالوں کا تجزیاتی مطالعہ بہت سے اہم نکاتِ ترجمہ وفقہ کو اجاگر کرے گا۔

☆☆☆